تذکرہ

مرشد مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی

شیخ العالم

علاء الحق گنج نبات

لاہوری پنڈوی

(۷۰۱~۸۰۰ھ/۱۳۰۲~۱۳۹۸ء)

اشرف المحدثین، مخدوم الملت، شیخ الہند، بحر الکمال، امام المتکلمین
تاج العرفاء، سراج العلماء، سید الشعراء

محدث اعظم ہند

حضرت علامہ مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی

(۱۳۱۱-۱۳۸۱ھ/ ۱۸۹۵-۱۹۶۱ء)

ناشر
اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن
حیدرآباد، دکن

بفیضِ روحانی شیخ الاسلام والمسلمین، رئیس المحققین، اشرف المرشدین
حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کچھوچھوی

سلسلۂ اشاعت بزبان اردو: 77

- نام کتاب : سوانح شیخ العالم گنج نبات علاء الحق پنڈوی قدس سرہ
- مصنف : محدث اعظم حضرت علامہ مولانا سید محمد اشرفی الجیلانی کچھوچھوی۔
- تحقیق وتدوین : علامہ مولانا ذاکر حسین اشرفی مصباحی راج محلی۔
- حواشی : علامہ مولانا مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی۔
- تحریک واہتمام : محمد بشارت علی صدیقی اشرفی، جدہ، حجاز مقدس۔
- پروف ریڈنگ : بشارت صدیقی اشرفی وعلامہ مولانا مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی۔
- اشاعت اول : ماہ نامہ اشرفی-1342ھ/1924ء۔
- اشاعت دوم :1438ھ/2017ء (عرس مخدوم بنگال حضرت علاء الحق گنج نبات پنڈوی)
- ناشر : اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدرآباد، دکن۔
- صفحات :32 } ہدیہ :

ملنے کے پتے

سُنّی پبلی کیشنز، دریا گنج، دہلی۔	09867934085
اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدرآباد۔	09502314649
مکتبہ انوار مصطفیٰ، مغلپورہ، حیدرآباد۔	09966352740
مکتبہ نور الاسلام، شاہ علی بنڈہ، حیدرآباد۔	09966387400
مکتبہ شیخ الاسلام، احمدآباد، گجرات۔	09624221212
عرشی کتاب گھر، میر عالم منڈی، حیدرآباد۔	09440068759
محدث اعظم مشن، محبوب نگر، تلنگانہ۔	09848155170
مدنی فاؤنڈیشن، ہبلی، کرناٹک۔	08147678515

انتساب

امام اعظم

ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی

غوث اعظم

سید محی الدین عبد القادر جیلانی

ہم شبیہ غوث اعظم

سید علی حسین اشرفی جیلانی کچھوچھوی

مجدد اعظم

امام احمد رضا خان قادری بریلوی

محدث اعظم

سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی

سرکار کلاں

سید مختار اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی

شیخ الاسلام والمسلمین، رئیس المحققین، اشرف المرشدین

حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کچھوچھوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے جو تمام جہانوں کا خالق و مالک ہے۔ بعد حمدِ خدائے تعالیٰ، بے شمار درود و سلام شاہِ لولاک، رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، ان کے اہلِ بیت پر، ان کے محبوب اصحاب پر اور ائمہ شریعت و طریقت پر۔

''**شیخ العالم**'' حضرت سلطان المرشدین علاء الحق گنج نبات چشتی لاہوری ثم پنڈوی (۷۰۱-۸۰۰ھ/ ۱۳۰۲-۱۳۹۸ء) کی مختصر سوانح ہے جو اشرف المحدثین، مخدوم الملت، شیخ الہند، بحر الکمال، امام المتکلمین، تاج العرفاء، سراج العلماء، سید الشعراء، محدث اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی تھی۔ یہ تحریر قسط وار **ماہ نامہ اشرفی** میں شائع ہوتی رہی جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی قسط: جلد ۲ /شمارہ نمبر ۶؛ ذی قعدہ الحرام ۱۳۴۲ھ/ جون ۱۹۲۴ء۔ **دوسری قسط:** جلد ۲ /شمارہ نمبر ۷؛ ذی الحجہ الحرام ۱۳۴۲ھ/ جولائی ۱۹۲۴ء۔ **تیسری قسط:** جلد ۲ /شمارہ نمبر ۸؛ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ/ اگست ۱۹۲۴ء۔ **چوتھی قسط:** جلد ۲ /شمارہ نمبر ۱۱؛ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ/نومبر ۱۹۲۴ء۔ اب تقریبا 93 سال بعد دوبارہ منظر عام پر لائی جا رہی ہے۔

محدث اعظم ہند کی عادت کریمہ تھی کہ آپ **ماہ نامہ اشرفی** کے لیے مسلسل لکھتے تھے۔ آپ کی بہت سے تصانیف اور فتاوی **ماہ نامہ اشرفی** میں قسط وار شائع ہوئے ہیں۔ جن بزرگوں پر محدث اعظم نے مستقل لکھا ہے اور جو ماہنامہ میں قسط وار شائع ہو کر اس پرفتن دور سے محفوظ ہو ہو کر ہم تک پہنچے ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

1۔ امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین عمر بن عبد العزیز (دو قسطوں میں)؛ 2۔ خواجہ خواجگان۔ غریب نواز (ایک قسط)؛ 3۔ غوث العالم مخدوم اشرف (چار قسطوں میں)۔ یہی بعد میں حیات غوث العالم کے نام سے حضرت مولانا سید حسن مثنی انور اشرفی جیلانی کچھوچھوی کی تحقیق اور حواشی کے ساتھ شائع ہو کر مقبول ہوئی ہے۔؛ 4۔ شیخ العالم۔ تذکرہ علاء الحق گنج نبات لاہوری پنڈوی (چار قسطوں میں)۔ جو اب تقریبا 93 سال بعد پہلی بار کتابی شکل میں شائع ہو کر آپ کے ہاتھوں کی زینت بن رہی

ہے۔؛5- پیران پیر- تذکرہ شیخ عثمان اخی سراج آئینہ ہند(تین قسطوں میں)؛6- سلطان المشائخ۔ تذکرہ حضرت محبوب الٰہی نظام لدین دہلوی(چار قسطوں میں)؛7- سلطان العارفین۔ تذکرہ حضرت فریدالدین گنج شکر(ایک قسط میں)؛ ان شاءاللہ عزوجل یہ سارے علمی وعرفانی مقالات کتابی شکل میں تحقیق، تخریج، تحشیہ وضمیمہ کے ساتھ منظر عام پرلائے جارہے ہیں۔

میں بے حد مشکور وممنون ہوں کنزی، سندی، مرشدی حضرت شیخ الاسلام علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی؛ جانشین محدث اعظم ہند۔ فاضل بغداد حضرت علامہ مولانا سید حسن عسکری اشرف اشرفی جیلانی مدظلہ العالی اور جانشین شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا سید حمزہ اشرف اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کا جن کی روحانی عنایتوں اور محبتوں کے سائے یہ کام جاری وساری ہے۔

میں علامہ مولانا ذاکر حسین اشرفی مصباحی راج محلی مدظلہ العالی اور علامہ مولانا مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی مدظلہ العالی کا بھی بے حد ممنون ومشکور ہوں، اول الذکر نے اس رسالے کو جمع اور کمپوز کیا اور ثانی الذکر نے اس رسالے پر بہت ہی جامع، علمی وتحقیقی حاشیہ لکھا ہے۔

الحمد للہ تعالیٰ اس کتاب کو شائع کرنے کی سعادت" اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدرآباد، دکن" کے حصہ میں آرہی ہے، جو اب تک تقریباً 100 سے زائد مختلف عنوانات پر تحقیقی کام کرواچکی ہے، جن میں کئی ایک نایاب اور مفید کُتب ورسائل ہیں۔''اشرفیہ اسلامک فاونڈیشن'' نے اپنے اشاعتی منصوبوں کے تحت حضور شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی کی موجودہ عمر مبارک کی نسبت سے اتنے ہی علمی وتحقیقی رسائل وکتب شائع کرنے کا عزم کرچکی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے اس خدمت کو قبول فرمائے، ہر کام کو پائے تکمیل تک پہنچائے، ناشرین واراکین''اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن'' کومزید دینی وعلمی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور احباب اہل سنت کے لیے اس کتاب کو نفع وفیض بخش بنائے! آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

فقیر غوثِ جیلاں وسمناں - محمد بشارت علی صدیقی اشرفی

جدہ شریف، حجاز مقدس-

بسم الرحمن الرحیم

لاہور

ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں لاہور ایک عظیم الشان شاہی شہر ہے۔سلطان جہانگیر کے زمانہ سے لاہور کی شاہی وعمرانی تاریخ شروع کی جاتی ہے لیکن لاہور کی ابتدائی تاریخ جہانگیری انعامات سے بالکل بے نیاز، اور وہ اس وقت بھی مرجع انام رہ چکا ہے جب کہ تیموری خاندان نے ہندوستان کی شکل بھی نہ دیکھی تھی اور اگر تاریخِ لاہور کا دیباچہ حضرت مخدوم داتا گنج بخش قدس سرہ (۱) کے نام نامی سے شروع کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ: ہندوستان میں لاہور ہی وہ مقام ہے جہاں سب سے پہلے اسلام کا علمبردار فاتحانہ شان سے داخل ہوا اور خواجہ غریب نواز (۲) کی آمد اسی مقدمۃ الجیش کی کمک میں تھی اور اسی کی یادگار خواجہ کا چلہ آج تک لاہور میں موجود ہے اور اس میں

۱۔اصل نام سید ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری ہے، داتا گنج بخش سے مشہور ہوئے، سن ولادت ۴۰۰ھ/ ۱۰۰۹ء ہے، ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے روحانی تعلیم پائی، پیر ومرشد کے حکم سے ۱۰۳۹ء میں لاہور تشریف لائے، کشف المحجوب، کشف الاسرار، منہاج الدین، سحر القلوب وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں، سفینۃ الاولیا میں آپ کا سن وصال ۴۵۴ اور ۴۶۵ لکھا ہے، خزینۃ الاصفیا میں سن وصال ۴۶۴ھ یا ۴۶۶ھ درج ہے۔لاہور میں بھاٹی دورازہ کے باہر آپ کا مزار زیارت گاہ عام وخاص ہے۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور حضرت خواجہ مسعود گنج شکر علیہما الرحمہ نے کسب فیض کے لئے آپ کے آستانہ پر چلہ کشی کی ہیں، رخصت ہوتے وقت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے ایک شعر کہا تھا جو آج بھی آستانہ پر کندہ ہے: گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا۔ ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما۔

۲۔سُلطان الہند حضرت خواجہ سیّد محمد معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ ۱۴ رجب المرجب ۵۳۶ھ بمطابق 1141ء بروز پیر بروایت دیگر ۱۴ رجب ۵۳۰ھ مطابق 1135ء کو جنوبی ایران میں خراسان کے نزدیک سنجر نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔آپ نجیب الطرفین صحیح النسب سید ہیں، آپ کا شجرہ بارہ واسطوں سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔

آپ اپنے پیر ومرشد کے ساتھ روضۂ رسول پر گئے اور کعبۃ اللہ کی زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ۵۸۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے، اس وقت اجمیر میں پرتھوی راج چوہان کی حکومت تھی، غریبوں کی بندہ پروری کرنے کے عوض عوام نے آپ کو غریب نواز کا لقب دیا جو آج بھی زبان زدِ عام ہے۔جنوبی ایشیا میں سلسلۂ چشتیہ کے آپ بانی ہیں، ایک روایت کے مطابق ۶ رجب ۶۲۷ھ جبکہ دوسری روایت کے مطابق ۱۰۳ سال کی عمر میں آپ کا وصال ۶۳۳ھ میں اجمیر میں ہوا۔

توکوئی شبہ نہیں کہ علمبردان اسلام حضرات صوفیائے کرام واولیائے عظام کے وفود کا مرکز ہمیشہ لاہور رہا اور آج بگڑے دنوں میں بھی ایک طرف سلطنت تیموریہ کے تبرکات اور دوسری طرف علم وعمل کے آثار لاہور کی مذہبی عظمت کے شواہد موجود ہیں۔ ساتویں صدی ہجری میں لاہور میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ(۱) کی نسل سے ایک مشہور خاندان آباد تھا۔قدرت نے اس خاندان کو اپنی نعمتوں کے لیے منتخب فرمالیا تھا اور خاندان کا ہرفرد اسلام کا نمونۂ حسنہ بنا ہوا تھا ہر خاص وعام ان گھرانوں کا دلدادہ تھا اور بڑے بڑے سلاطین زمانہ علمی مجلس کی زینت کے لیے اسی خاندان کو مدعو کرتے تھے۔اس برگزیدہ خاندان میں مولانا اسعد کا طوطی زیادہ بولتا تھا۔مولانا اسعد(۲) کے صاحبزادہ کا علمی تبحر اور دینی بلندی کا ارتقاء اس درجہ پہونچ گیا تھا کہ لوگ ان کو **علاء الحق والدین** کہتے تھے اور آپ کی قدم بوسی کی آرزو شاہان زمانہ کرتے تھے۔غرض کہ پورا لاہور مولانا علاء الحق کے عزت وفضل کی آواز بازگشت سے گونج رہا تھا۔اور آپ کا زہدوتقوی ضرب المثل ہورہا تھا چونکہ آپ کا گھر اسلامی سلطنت کے قیام کا زیب ورکن تھا لہذا سامان دنیا اللہ کا دیا بہت کچھ تھا اور خدا کے فضل سے امیرانہ وشاہانہ زندگی سے بسر ہوتی تھی اسی لیے کسب کمال میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ تھی اور ہر طرح سے دن دونی رات چوگنی ترقی بڑھتی جاتی تھی!

۱۔صحابی رسول حضرت خالد بن ولید نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپہ سالار تھے،آپ کا لقب سیف اللہ تھا،۵۹۲ء میں مکہ میں پیدا ہوئے،یکم صفر ۸ھ میں اسلام لائے، ۱۲۵ جنگوں میں حصہ لیا،کمانڈران چیف،سپہ سالار،سالار گشتی دستہ،فوجی گورنرِ عراق اور آزاد گورنرِ شام کی حیثیت سے مختلف عہدوں پر فائز رہے، ۶۴۲ء میں شام کے شہر حمص میں وفات پائی۔

۲۔مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی لاہوری علیہ الرحمہ کے والد گرامی کا یہی نام زیادہ صحیح اور راجح ہے،اخبار الاخیار،خزینۃ الاصفیا اور دیگر معتبر کتابوں میں یہی نام لکھا ہے۔صاحب مرأۃ الاسرار نے عمر ابن اسعد،صاحب بحر ذخار نے عمر اسعد لکھا ہے،مولانا عزیز یعقوب ضیائی بنارسی نے مقدمۂ لطائف اشرفی میں حضرت علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ ہی کا اصل نام عمر بتایا ہے!

پنڈوہ شریف(۱)

پنجاب اور بنگال کی مسافت ومعاشرت کے درمیان اگر کوئی نسبت پیدا کی جاسکتی ہے تو وہ اول وآخر کی نسبت ہے۔ مغرب سے کوئی سیّاح ہندوستان میں داخل ہوتو اول اول وہ صوبہ پنجاب میں ہوگا اور پھراس وسیع ملک کو طے کر کے جانب شرق جس ساحل پر پہونچ کر وہ جہاز پر سوار ہوگا وہ آخری مقام ساحل بنگال ہے۔ اسی لیے لاہوری خاندان کے ذکر میں بنگال کا تذکرہ عجیب معلوم ہوتا ہے مگر واقعات کا سلسلہ مؤرخ کو کشاں کشاں اس طویل سفر پر مجبور کرتا ہے۔

پنڈوہ بنگال میں شاہی زمانہ کا ایک مشہور شہر ہے۔ گور(۲) جو سلاطین غوریہ کا دار السلطنت تھا پنڈوہ کے اس درجہ قریب ہے کہ زمانہ عروج میں صرف ایک دریا دونوں آبادیوں کو جدا کرتا تھا ورنہ پنڈوہ آبادی گور کا ایک حصّہ سمجھا جاسکتا تھا پھر بھی پنڈوہ ہمیشہ دار السلطنت کا جزء لا ینفک رہا اور علماء وقضاۃ، امراء ووزراء نے اسی پنڈوہ کی آراضی کو اپنے مکانوں کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ اعیان دولت وارا کین سلطنت کو سرزمین پنڈوہ سے کچھ ایسا لگاؤ تھا کہ آج تک ان صنادید

۱۔ ہندوستان کا قدیم ومشہور صوبہ مغربی بنگال کا ضلع مالدہ سے تقریباً ۱۷رکیلومیٹر کے فاصلہ پر بنگال و بہار کو جوڑنے والی قومی شاہراہ نمبر ۳۴ر کے کنارے پنڈوہ شریف آباد ہے، پنڈوہ شریف کو تاریخ نگاروں نے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے؛ کسی نے پڑوا، کسی نے پانڈا لکھا اور کسی نے پنڈوہ لکھا ہے- بنگال میں پنڈوہ نام کی دو جگہیں ہیں ایک ضلع ہگلی میں اور دوسری ضلع مالدہ میں- اور دونوں جگہوں میں ''آثار قدیمہ'' ہیں لیکن ضلع مالدہ میں واقع پنڈوہ شریف کو بزرگوں کی پابوسی کا شرف زیادہ حاصل ہے، اس لیے بعض وقائع نگاروں نے اس پنڈوہ کو ''حضرت پنڈوہ'' کے نام سے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، این ایڈوانسڈ ہسٹری آف انڈیا کے مطابق علاء الدین علی شاہ نے ۱۳۳۹ء میں پنڈوہ کو شمالی بنگال کی راجدھانی بنایا، بعض مؤرخین نے پنڈوہ کو راجدھانی بنانے کا سہرا حاجی الیاس شاہ کے سر سجایا ہے، حاجی الیاس نے پورے بنگال میں حکومت کی ۱۳۵۷ء، بروایت دیگر ۱۳۵۹ء میں پنڈوہ ہی میں اس کا انتقال ہوا۔

۲۔ بنگلہ زبان میں لکھی گئی تاریخی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں گوڑ مختلف صوبوں پر مشتمل ایک بہت بڑی سلطنت تھی، ایام عروج پنڈوہ [۱۳۵۰ء تا ۱۶۰۰ء] میں بھی بہار وجھارکھنڈ اور بنگل کے بہت سے اضلاع یہاں کی حکومت میں شامل تھے۔ شاہی زندگی کے سارے اسبابِ عیش وعشرت یہاں موجود تھے۔ آج بھی باقی ماندہ کھنڈرات وآثار مثلاً بارہ دواری، بڑی سونا مسجد، داخل دروازہ، شاہی دروازہ، کوتوالی دروازہ، فیروز مینار، قدم رسول محل، مقبرہ فتح خان، مقبرہ حسین شاہ وغیرہ اپنی زبان حال سے ماضی کی عظمت وشوکت کی داستاں بیان کرتے ہیں۔ مالدہ انگریز بازار سے گوڑ کی دوری تقریباً سولہ کیلومیٹر ہے۔

اسلام کا مرثیہ پنڈوہ کے کھنڈرات اور شاہی مقبرے اور کہنہ مساجد بالخصوص مسجد ادینہ اور دوسرے آثار موجودہ پڑھتے رہتے ہیں آج تک کھنڈروں کی تقسیم مولوی ٹولہ اور قاضی ٹولہ وغیرہ کہہ کر کی جاتی ہے۔

غرض ساتویں صدی ہجری میں پنڈوہ کے شباب کے دن تھے جب کہ علمی جلوس میں صرف علماء ومشائخ کی پالکیوں کی تعداد پانچ پانچ سو کو پہونچ جاتی تھی یہی دن تھے کہ شاہی اصرار و دعوت سے مجبور ہو کر لاہور کا مذکورہ خاندان سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر پنڈوہ آ کر بسا تھا۔ مولانا اسعد خزانۂ شاہی کے وزیر تھے، وہ بھی مع اپنے بلند رتبہ فرزند مولانا علاء الحق کے پنڈوہ آ گئے تھے۔

بنگالی ڈاکو

مولانا علاء الحق تھے تو امیر گھرانا کے مگر طبیعت کا میلان بچپن ہی سے فقر و درویشی کی طرف تھا، گھر میں کسی بات کی کمی نہ تھی۔ آپ بڑے خوش وضع اور خوش غذا تھے مگر آبادی سے زیادہ جنگل اور قصر امارت سے بڑھ کر بیابان آپ کو پسند تھا۔ ایک طرف آپ کا محل سرا اور باورچی خانہ دیکھو تو وہ شان شوکت تھی کہ بادشاہوں کو رشک آتا تھا تو دوسری طرف آپ کی عزلت پسندی اور عابدانہ زندگی کا یہ حال تھا کہ پنڈوہ جیسے علمی مرکز میں آپ کی ولایت کی دھوم مچ گئی تھی اور ادنیٰ اعلیٰ سر نیاز مندی جھکا چکا تھا اُسی غیر معمولی شہرت کا نتیجہ تھا کہ دور دور سے لوگ قدم بوسی کے لئے شدّ رحال کر کے حاضر ہوتے تھے اور آپ کا مہمان سرا ہمیشہ آباد ہی رہتا تھا اور بڑے بڑے اکابر روزگار، اولیاء دیار کا دونوں وقت دسترخوان پر مجمع رہتا تھا۔

کہتے ہیں کہ آپ کی یہ عجیب وغریب عادت تھی کہ جو خدا رسیدہ آپ کو ملتا سب سے پہلے وضو کے لیے آپ گرم پانی رکھواتے۔ پانی اس قدر کھولتا ہوا ہوتا تھا کہ بشری قوت جس کے تحمّل کی طاقت نہیں رکھتی، اگر آنے والا ہاتھ پر پانی لیتے ہی بمقتضائے فطرت بشریہ ہاتھ کو کھینچ لیتا تو آپ

اُس کے ملکوتی نور قلب کو سلب فرما لیتے اور وہ کورا ہو کر روتا پیٹتا اپنا راستہ لیتا(۱) آپ کو اس مشغلہ سے اس قدر دلچسپی تھی کہ سرحد پنڈوہ سے گزرنے والا ولی کبھی اپنے مال اور کمائی کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا، اور اہل اللہ نے پنڈوہ کا راستہ خوف سے چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ لوگوں نے آپ کو بنگالی ڈاکو کہنا شروع کر دیا تھا۔

یہ بات بہت غنیمت تھی کہ والد ماجد کے لحاظ اور قرابت و نیاز مندی کے پاس سے بزرگان پنڈوہ پر کوئی حملہ نہیں ہوتا تھا اور سب امن کی زندگی بسر کرتے تھے۔ نیز آپ کو اُن مہمانوں کا بھی پورا خیال رہتا تھا جو اقرار نا داری و نیاز مندی کا سپر ساتھ رکھتے تھے۔ البتہ متعین مساوات و علو کے لیے حملۂ علائیہ سے کوئی پناہ نہ تھی بلکہ جس طرح ارباب دولت وحشی قزاقوں سے خوف زدہ رہتے ہیں اُس طرح اصحابِ ولایت آپ کی قوتِ قاہرہ سے مرعوب ہو چکے تھے اور نام لیتے ہی کانپ جاتے تھے۔ ہندوستان کے مشرق و مغرب میں اس ڈاکہ کی شہرت ہو چکی تھی اور ہر ملک کے سیّاح جا جا کر اس خوفناک منظر کا نقشہ کھینچ کر لوگوں کو پنڈوہ بچا کر چلنے پھرنے کی ہدایت کرنے لگے تھے۔ اُس زمانہ میں حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ(۲) کے دم قدم سے دہلی کی چہل پہل بڑھی ہوئی تھی اُس عدالت عالیہ میں بنگالی ڈاکہ کے خلاف صدائے احتجاج میں

۱۔ سلب نور قلب کا یہ واقعہ گوڑ پنڈوا را تیہاس اور پنڈوہ شریف کے عوام وخواص کے حوالہ سے اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ: شیخ علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ اپنی خانقاہ میں آنے والے ہر شیخ وفقیر کو اپنے تالاب میں وضو کرواتے تھے، [یہ تالاب آج بھی اندرون خانقاہ میٹھا تالاب کے نام سے موسوم ہے] اعضائے وضو دھلتے ہی ان کا علم بھی دھل جاتا تھا، حضرت اخی سراج آئینہ ہند علیہ الرحمہ جب خانقاہ میں تشریف لائے اور اپنے پیر ومرشد شیخ نظام الدین دہلوی علیہ الرحمہ کا دیا ہوا لوٹا آب وضو لینے کے لیے پانی میں ڈالا تو شیخ علاء الحق علیہ الرحمہ کا سینہ علم سے خالی ہو گیا، انھوں نے منت وسماجت کی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے تم ان کا علم لوٹا دو جن کا تم نے چھینا ہے، حضرت شیخ علاء الحق علیہ الرحمہ نے عاجزی کرتے ہوئے کہا کہ: لوٹنا میرا کام تھا اور لوٹانا آپ کا کام ہے۔ پھر حضرت آئینہ ہند علیہ الرحمہ کی دعا سے سب کا علم واپس ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

۲۔ آپ کا اصل نام محمد ابن احمد ابن علی ہے، ۶۳۳ھ میں بدایوں میں پیدائش ہوئی اور ۷۲۵ھ میں دہلی میں وصال ہوا، حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفہ تھے، امرا وسلاطین کو اصرار وتقاضا کے بعد شرف ملاقات حاصل ہوتا تھا، ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کا فروغ آپ ہی کی ذات سے ہوا، آپ کے ملفوظات کا مجموعہ فوائد الفواد علوم ومعرفت کا گنجینہ ہے۔

ہر گوشہ سے عرضیاں آنے لگیں اور کتنوں نے جا کر زبانی عرض حال کیا اور استغاثہ کیا کہ جلد توجہ فرمائی جائے ورنہ عنقریب ہندوستان نور ولایت کے فقدان سے تاریک ہو جائے گا۔ حضرت سلطان المشائخ نے خلفاء کے مجمع کو مخاطب ہو کر کہا:

تم میں کون ہے جو اِس ڈاکو کی سرکوبی کر سکے؟

سب حضرات دم بخود تھے، صرف حضرت مخدوم اخی سراج الحق عثمان قدس سرہٗ (۱) نے جرأت فرما کر عرض کیا کہ ارشاد ہو تو یہ خدمت میں بجالاؤں۔ حضرت سلطان المشائخ کو اِس سے بیحد مسرت ہوئی، فرمایا کہ: یہ کام تمہارا ہی تھا۔ بہت سے تبرکات اور خرقہ عطا فرما کر اس مہم پر مخدوم سراج الحق کو دہلی سے روانہ فرمایا۔ (۲)

بیعت وارادت

کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم اخی سراج الحق قدس سرہٗ کا دہلی سے پنڈوہ آنا اسی واقعہ پر مبنی تھا مگر اخبار الاخیار شریف وغیرہ کتب محققین کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم کی والدہ

۱۔ آپ کا اصل نام عثمان ہے، اخی سراج الدین سے مشہور ہوئے، ۶۵۶ھ میں اودھ (موجودہ اجودھیا) میں پیدا ہوئے، کم عمری میں اپنی والدہ کے ساتھ ہجرت کر کے لکھنوتی بنگال تشریف لائے، داڑھی کے بال بھی نہ نکلے تھے کہ حضرت نظام الدین کے مرید ہوئے، علامہ زرادی اور علامہ رکن الدین سے علم حاصل کیا، جملہ علوم وفنون کے متبحر تھے، آپ کی لکھی ہوئی قواعد عربی ادب کی کتابیں آج بھی مدرسوں میں پڑھائی جاتیں، اپنے پیرومرشد سے خلافت پانے کے بعد بنگال تشریف لائے، پیرومرشد نے "اخی" اور "آئینہ ہند" کا خطاب دیا۔ مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی آپ ہی کے مرید وخلیفہ ہیں، ۷۳۰ھ میں وصال فرمایا سعد اللہ پور ضلع مالدہ میں آپ کا مزار پیران پیر کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ اس واقعہ کو بعض سوانحی کتابوں مثلاً گوڑ پنڈوا رتین پیر اتیہاس وغیرہ میں اس انداز میں بیان کیا گیا ہے: "مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ نے حضرت شیخ بابا فرید الدین چشتی علیہ الرحمہ کے لقب "گنج شکر" کے مقابل اپنے لیے "گنج نبات" لقب اختیار فرمایا، ولی الاولیاء حضرت شیخ نظام دہلوی علیہ الرحمہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا، ادھر مخدوم العالم علیہ الرحمہ کی زبان گنگ ہوگئی، آپ کو احساس ہوا کہ بڑوں کے مقابل بڑی بات کہنے کی یہ سزا ہے، برسوں آپ گریہ وزاری کرتے رہے، بالآخر خواب میں بشارت ہوئی کہ ایک فقیر آئے گا جن کے اندر کھولتے پانی سے وضو کرنے کی صلاحیت ہوگی، ان کی دعا سے تمہیں شفا ملے گی۔ چنانچہ آپ مشائخ کو آزماتے رہے بالآخر یہ صلاحیت حضرت اخی سراج آئینہ ہند علیہ الرحمہ کے اندر پائی گئی پھر مخدوم العالم ہمیشہ کے لیے ان ہی کے ہو کر رہ گئے۔

ماجدہ شہر لکھنوتی (ا) (گور کا پرانا نام) میں تھیں اور آپ کو زیارت والدہ کا بیحد شوق تھا۔ چنانچہ آپ نے اُس کی اجازت حضرت سلطان المشائخ سے طلب کی اور اجازت پانے پر بنگال کا قصد فرمایا اور دربار شیخ میں عرض کیا کہ حضور بنگال تو جاتا ہوں مگر وہاں مولانا علاء الحق جیسا زبردست شخص کا مقابلہ ہے۔

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مطمئن رہو وہ تمہارے حلقۂ ارادت میں داخل ہوں گے۔ بہرحال حضرت مخدوم اخی سراج الحق نے بنگال کا سفر فرمایا اور تبرکات اور دعاء شیخ کی بدولت یہ مسافت بعیدہ بہت جلد طے ہوگئی۔

کہتے ہیں کہ جب آپ پنڈوہ پہونچے تو حسب معمول مولانا علاء الحق نے کھولا ہوا پانی وضو کے لیے رکھ دیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ فقیر دور کا مسافر ہے اور بڑی لمبی مسافت طے کر کے آرہا ہے صرف وضو سے تھکان سفر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہ فرمایا اور دست اقدس سے گرم دیگ کو آتشدان سے اٹھا کر سر اقدس پر اُنڈیل لیا۔ پانی ایسا تھا کہ عام بشری قوت سے دیگ کا چھونا ہی دشوار تھا، سارے بدن کی کھال اُتر آتی مگر حضرت مخدوم نے غسل فرمایا اور ایک رونگٹا بھی متأثر نہ ہوا۔

مولانا علاء الحق کی زندگی میں اِس منظر کے معاینہ کا پہلا واقعہ تھا انگشت بدنداں ساری کیفیت دیکھتے رہے اور بے اختیار مخدوم کے قدم پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ میرا گذشتہ مشغلہ اِسی دن کے لیے تھا کہ آپ کے قدم یہاں آئیں۔ میں سمجھتا تھا کہ میری اصلاح کے لیے آپ کو آنا پڑے گا۔ اب میں اُس شغل کو ہمیشہ کے لیے چھوڑتا ہوں اور قدم مخدوم کو اپنے گذشتہ کا شفیع اور آیندہ کا ضامن بناتا ہوں اور دست حق پرست پر توبہ و بیعت کرتا ہوں۔

چنانچہ حضرت مخدوم نے مولانا علاء الحق کو حسب قاعدہ بزرگان چشت داخل سلسلہ فرمایا۔ محققین کے نزدیک بیعت کے لیے خود مولانا علاء الحق حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر

ا۔ گوڑ کا نام "لکھنوتی" راجا لکھن سین کے دور میں پڑا، لکھنوتی ۱۲۰۵ء سے ۱۳۴۲ء باستثنائے ۱۲۰۶ء تا ۱۲۱۱ء بنگال کی راجدھانی رہی، ۱۳۴۲ء کو حاجی الیاس شاہ نے لکھنوتی کی بجائے پنڈوہ شریف کو راجدھانی بنایا، ۱۵۰۰ء تک بنگال کے نقشہ میں لکھنوتی کا نام باقی رہا۔

ہوئے تھے۔ بہر حال مولانا علاء الحق حضرت مخدوم اخی سراج الحق کے مرید ہو گئے اور پنڈوہ ہر مسافر و مقیم کے لیے دار الامن ہو گیا۔

خدمت شیخ

سچ ہے کہ مرید کے لیے دارین میں کشود کار کا واحد ذریعہ پیر کی خدمت ہے جسے تم سب کا مخدوم کہتے ہو وہ عرصہ تک کسی کا خادم رہ چکا ہے، جو آج پیر ہے وہ کل کسی کا مرید تھا۔ مرید اپنے مال اپنی جان بلکہ اپنی عزت کو نعلین شیخ کے تلے برابر نہیں سمجھتا، بیعت اور بیع کے ایک ہی معنے ہیں، تم نے ایک چیز کسی ہاتھ بیچ ڈالی تو اب اُس چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا، اُس کا مالک خریدار ہی ہے۔ اسی طرح تم نے کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی تو خود اپنا بیع نامہ لکھ دیا اور اب تم اپنے نہیں رہے بلکہ اپنے خریدار یعنی شیخ کی ملکیت میں آ گئے۔ اسی کا نام بیعت و ارادت ہے۔ مگر رسمی طور پر بیعت کر لینے سے اُس کی نباہ بہت زیادہ دشوار ہے۔ یہ میدان عمل ہے اور ایسا دشوار گذار میدان ہے کہ امتحان کے بعد لاکھوں میں ایک ہی کھرا نکلتا ہے۔ لمبے چوڑے دعوئے ارادت والے تو ہم نے بیشمار دیکھے ہیں مگر کسوٹی پر ٹھیک اُترنے والے کو دیکھنے کے لیے ہزاروں مرتبہ آنکھیں اُٹھیں اور حسرت لیے ہوئے واپس ہوئیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ لاکھوں آدمی ایک ہستی کو اپنا پیر کہیں لیکن وہ سارے آدمی واقعی مرید ہوں یہ ایک نادر و کمیاب بات ہے۔

خیر اس زمانہ کا کیا مرثیہ پڑھا جائے ہمارے سلف صالحین کا تو یہی عقیدہ تھا کہ دین و دنیا جو کچھ ہے شیخ کی ہستی ہے، شیخ کا عتاب قہر ہے اور شیخ کی رضا رضائے الٰہی ہے۔ کونین میں جو ہم کو ملا، ملتا ہے، ملے گا وہ شیخ ہی کا صدقہ ہے اسی لیے اُن کے نظام اوقات حیات میں خدمت شیخ کا زیادہ وقت رکھا گیا ہے[۱] اور بزرگوں نے نعلین شیخ ہی کو دارین میں واحد وسیلہ قرار دیا ہے۔

خدمت شیخ کا یہ مطلب نہیں کہ برسوں کے بعد دیکھا تو ہاتھ پاؤں چومنے چاٹنے لگے اور نذرانے کے نام سے بطور زکوٰۃ کچھ سامنے رکھ دیا۔ اتنی سی بات پر خدمت کا دعویٰ اسلامی نقطۂ

۱۔ قسط اول یہاں ختم ہوئی۔ جلد ۲/ شمارہ نمبر ۶؛ ذی قعدہ الحرام ۱۳۴۲ھ/ جون ۱۹۲۴ء۔

نظر سے کھلی ہوئی فرعونیت، اصل خدمت تو اُس ذوق خودفراموشی اور مذاق جاں نثاری کا نام ہے کہ مالی خدمات اور دست بوسی اُس کا ایک معمولی اثر ہے ایک دولت مند مرید اپنے شیخ کو دنیا سے بے پرواہ کرسکتا ہے اور ایک محتاج اپنے پیر کے جوتے کو سیدھا کرسکتا ہے مگر حقیقتِ خدمت کے بام تک رسائی پانا یہ ایک خدائے قدوس کی بے بہا نعمت ہے جو بہت بڑے اہل کو عطا کی جاتی ہے۔

اگر کوئی رئیس اس کا واقعی لذت آشنا ہے تو مالی خدمات کے سوا نعلین برداری کا شغل بھی اُس کا وظیفہ ہوگا اور اگر کوئی محتاج صحیح طور پر اُس کا ذوق رکھتا ہے تو بدنی نیازمندیوں کے سوا مالی قربانیاں بھی اُس کے کارناموں میں موجود ہوں گی۔ یہ سلاطین مغلیہ کا کام تھا کہ غریب نواز کے آستانہ کو مینا بازار اور لال قلعہ سے زیادہ بنا سنوار کر نہ چھوڑ دیں بلکہ دہلی سے اجمیر شریف تک پا پیادہ سفر بھی کریں اور یہ محتاجان ہند کا کام ہے کہ عرس شریف کے لیے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ (۱) کی درگاہ سے رخصت ہوکر اجمیر شریف کی جانب پیدل چلنے ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ وہاں حاضر ہوکر خواجہ کے نام پر اپنی کمائی لٹا دیں۔

یعنی ہر شخص فرض خدمت سے اُس وقت سبکدوش ہوکر مرے گا جب کہ اپنی حیثیت کو فدا کرنے کے سوا اپنی عزت وشخصیت کو بھی شیخ پر نچھاور کردے۔

اللہ! اللہ! ذرا حضرت مولانا علاء الحق و الدین کو دیکھو، والد ماجد سلطنت غوریہ کے مالیات کے وزیر اعظم ہیں۔ برادران خاندانی میں کوئی وزیر، کوئی امیر اعلیٰ، اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اس عظیم الشان اسلامی دولت کے ارکان اسی خاندان کے افراد ہیں اُن کے محل سرا تک کسی کے سلام کی بھی رسائی نہیں ہے، اُن کے چشم وابرو کے اشاروں پر ہزاروں سر قربان ہونے کو تیار ہیں، وہ خود ظلِّ سلطانی کے نیچے اور اُن اور اُن کے سایہ کے نیچے انسان کا ایک جم غفیر، وہ جس کے سلام کو قبول کرلیں اُس کی سات پُشت اس پر ناز کرے، وہ جس کی بات کو سن لیں چودہ پُشت اُس کی فخر کرے،

۱۔ آپ کا اصل نام سید بختیار ہے قطب الدین سے مشہور ومعروف ہوئے، ۵۸۲ھ/ ۱۱۸۷ء میں موجودہ کرغزیستان کے قصبہ اوش میں پیدا ہوئے، لڑکپن میں بغداد آکر حضرت خواجہ غریب نواز علیہ ارلرحمہ سے مرید ہوگئے، ۱۷ سال کی عمر میں حضرت خواجہ غریب نواز سے خلافت پائی، پھر اپنے پیرومرشد کے ساتھ ہندوستان چلے آئے، آپ کا وصال دہلی میں ۱۲۳۵ء میں ہوا، آپ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ کے پیرومرشد تھے۔

وہ جس راستہ پر نکلیں وہاں آنکھیں فرش راہ ہو جائیں، وہ جس گلی میں چلیں وہاں اقرار اطاعت کے دامن بچھ جائیں ۔غرض وہ گھرانا جس کے لیے وعدہ فرمادینا نقد ہے ۔اُس میں مولانا علاء الحق والدین پیدا ہوئے اور پرورش پائی اور زندگی کا کل حصّہ آج تک گذارا۔

اب ہم اُن کو دیکھتے ہیں کہ ایک خرقہ پوش مسافر وفقیر کے نعلین پر عیش وراحت کو قربان کر دیا ہے اور ایک غریب الوطن اور سلطنت سے بے تعلق ہستی پر اپنے دھن دولت قربان کر دی ہے ۔ ہمارے زمانہ میں تو بہت بڑی بات ہے مگر مولانا کے لیے یہ کوئی کمال نہ تھا کہ اپنے گھر کا خزانہ شیخ کے گھر میں پہونچا دیتا اور ہر ماہ یا ہر ہفتہ دربار شیخ کی حاضری کی زحمت برداشت کر لیتے بلکہ اُن کی فضیلت اُس میں تھی جس کو کر کے دکھا دیا یعنی گھر بار کو تج دیا اور پیر کے غلاموں میں اپنا نام لکھالیا۔

تم سمجھے کہ مولانا علاء الحق والدین نے کیا کیا؟ ہاں سنو!

اور اے مدعیان ارادت ہوش سنبھال کر سنو! کہ

فرزند وزیر الوزراء، نور دیدۂ امیر الامراء مولانا علاء الحق بارہ سال تک برابر خدمت شیخ کے اُس شعبہ کو انجام دیتے رہے جس کے سمجھنے سے معمولی خوش حال لوگوں کی بھی بشریت عاجز ہے۔

آپ کے پیر حضرت مخدوم اخی سراج الحق قدس سرہ کی عادت کریمہ تھی کہ حالت سفر میں اپنا خیمہ اور سامانِ باورچی خانہ ساتھ رکھتے تھے اور تبلیغ رشد وہدایت کے لیے حضرت کا سفر میں رہنا زیادہ ہوتا تھا۔ مولانا علاء الحق کا کام یہ تھا کہ مسافت سفر طے کرتے وقت اپنے سر پر کھانے سے بھرا ہوا وزنی گرم دیگ رکھتے تھے اور شیخ کے ہمراہ قُلی کی طرح سامان اُٹھائے پاپیادہ چلتے تھے۔

یہ نہ سمجھو کہ مولانا علاء الحق کے اس طریق کار میں رُکاوٹیں نہیں ڈالی گئیں بلکہ جس طرح آج کوئی معمولی ایثار کرنے پر اعزہ واقارب کا نشانۂ ملامت ہو جاتا ہے اور معمول سے زیادہ خدمت کرنے پر محروموں اور بے حسوں کی زبان سے سنتا ہے کہ:

تم بیوقوف ہو جو اپنا نقصان دیدہ ودانستہ کرتے ہو ہم کو دیکھو کہ زبانی چکنی چکنی باتوں میں رکھتے ہیں اور وقت پر کان دبا کر الگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اور پھر سنتے سنتے اُس کا نفس امارہ اس سے متأثر ہوتا ہے۔ اسی طرح مولانا علاء الحق و الدین کے اعزہ و اقارب بھی آپ کو قلی کی صورت میں دیکھتے تو اپنے اعزہ کے خیال سے شرم میں ڈوب جاتے اور آپ کو سمجھاتے کہ خاندانی اعزاز کی تم نے بڑی بے قدری کی اور ہم لوگوں کو تم نے سخت ذلیل کیا۔ ہم تم کو بوجھ اُٹھائے ہوئے دیکھتے ہیں تو خونِ جگر پی کر رہ جاتے ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ تم نے اپنے گھر کی دولت شیخ کو دے دی ہے اب کبھی کبھی حاضر خدمت ہو جانا بہت کافی ہے۔ ہماری اور اپنی عزت کا خیال کرو اور ایسی قابل شرم خدمت سے علیٰحدہ ہو جاؤ! یہ وہ باتیں ہیں جن کو سن کر ہر شخص کا نفس امارہ اس کی تائید کرتا ہے اور شیخ کی خدمت میں اُن کلمات کا عذر پیش کر کے اپنے کیے پر اگر افسوس نہیں کرتا تو آیندہ کے لیے ضرور رُک جاتا ہے، مگر مولانا علاء الحق والدین ما و شما سے نہ تھے اور نہ نفس امارہ رکھتے تھے۔(۱) بھائیوں بزرگوں کی اُن باتوں کا صاف جواب یہ دیتے تھے کہ آپ لوگوں کا نصیحت فرمانا سر آنکھوں پر ہے مگر اُس کو کیا کیجئے۔ مصرعہ ؎

آنکہ فخر تست اوننگ من است

جتنا آپ کو اعزاز دنیا پر ناز ہے اُتنا ہی میرے لیے وہ موجب عار ہے۔ مصرعہ ؎

آنکہ ننگ تست اوفخر من است

جس قدر اس خدمت شیخ کو آپ لوگ ننگ سمجھتے ہیں اُسی قدر مجھے اُس پر غیر معمولی ناز ہے۔

سبحان اللہ! مولانا علاء الحق اس خادمانہ شکل میں اپنے محل سرائے وزارت کے سامنے سے خاندانی بھائیوں کے روبرو جب گذرتے رہے ہوں گے تو شراب خدمت شیخ کا نشہ کتنا بڑھ جاتا رہا ہوگا؟ ہم جب گردن جھکا کر اس منظر کی تصویر کھینچتے ہیں تو حیرت زدہ ہو کر دل سے پوچھتے ہیں کہ یہ ہمارے زمانے کی اَنہونی بات ساتویں صدی میں کس طرح روزمرہ ہو جاتی تھی!

بہر حال ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر یہ ایک واقعہ ہے کہ مولانا علاء الحق نے دو چار دن، دو

۱۔ خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ: شیخ علاء الدین کے رشتہ دار بڑی شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے، لیکن آپ ننگے پاؤں اپنے شیخ کی سواری کے ساتھ چلتے تھے مگر اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو اس شان و شوکت میں دیکھ کر حضرت علاء الدین پر کوئی دنیاوی تأثر نہ ہوتا تھا، آپ خوشی خوشی یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ (خزینۃ الاصفیا، ج:۲، ص:۴۲۷، مکتبہ نبویہ لاہور، مفتی غلام سرور لاہوری)۔

ایک مہینہ نہیں بلکہ کامل بارہ سال تک شیخ کی اس خدمت کو انجام دیا یہاں تک کہ سر اقدس کا بال بالکل گر گئے اور پھر دوبارہ نہیں جمے۔ سر کے بالوں کا گرنا حجابات کا اُٹھنا تھا یہی سر پر دیگ رکھ کر روزانہ چار پانچ کوس چلنا امانت الٰہی کے بار کا اُٹھانا اور راہ سلوک کا طے کرنا ہوگیا۔ بارہ سال کی مدت ختم ہوئی تو درجات ولایت کی بھی پوری تکمیل ہوگئی اور نونہال وزارت دنیا قلی بنکر خود روحانی حکومت کا وزیر اعظم بن گیا یعنی پیرنے (جو مرید کے عقیدہ میں سلطان ہے۔) اپنی خلافت سے ممتاز فرما کر تاج کو سر پر رکھ دیا اور سند تکمیل عطا فرما کر نظام عالم کی باگ ہاتھ میں دیدی سچ ہے۔ مصرعہ ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

[خادم ہی مخدوم ہوتا ہے]

غنا و استغناء

مولانا علاء الحق کے پاس اب کوئی آبائی خزانہ تو رہ نہیں گیا تھا اور نہ رہ سکتا تھا مگر جس شیخ کے قدموں پہ سب کچھ قربان کر دیا تھا اُس کی بدولت الٰہی خزانوں کے دروازے اُس کے لیے کشادہ ہو گئے تھے اور اگر چہ اب محل سرا کے بجائے خانقاہ میں قیام تھا مگر ہر اعتبار سے محل سرا کی رونق، خانقاہ کی شوکت کا ایک غلام گردش معلوم ہوتی تھی۔ درویشوں کے ہجوم اور اہل اللہ کے مجمعوں سے خانقاہ علائیہ کی چہل پہل شاہی محل سرا سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہوتی تھی اور باورچی خانہ کا خرچ پہلے سے بہت زیادہ بڑھا چڑھا تھا۔ یہاں تک کہ بادشاہوں کو سنتے سنتے دیکھتے دیکھتے آپ پر رشک ہونے لگا۔ سلطان وقت کے دل میں یہ بات جم گئی کہ آپ کے والد ماجد کے ہاتھ میں شاہی خزانہ ہے اور وہ در پردہ اپنے فرزند پر شاہی دولت لٹا رہے ہیں اسی بے جا خیال کی بنیاد پر دربار شاہی سے پنڈوہ چھوڑ دینے کا آپ کے لیے حکم صادر ہوا۔ چنانچہ آپ نے شاہی خیال کو بے بنیاد ثابت کرنے کے لیے بلا تکلف پنڈوہ کو چھوڑ دیا اور ایک دوسرے موضع میں جس کو لوگ سنار۔

گاؤں(۱) کہتے ہیں اقامت فرمائی اور خادموں کو حکم دیا کہ یہاں ہر خرچ کو پنڈوہ کے مصارف سے بڑھا دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہاں کے مصارف کو دیکھ کر لوگ انگشت بدنداں ہو گئے اُس وقت حیرت لوگوں کی زیادہ بڑھ گئی جبکہ آپ کی ذاتی جائداد اور دو باغ پر غاصبوں نے قبضہ کر لیا اور آپ نے اُس کی کچھ پرواہ نہ کی مقدمے اور دعوے کیا چیز کبھی زبان پر شکایت نہ آئی ظاہری تنگی کا یہ سب کچھ سامان تھا مگر مصارف کی زیادتی بدستور جاری تھی! سنار گاؤں میں اقامت کا زمانہ دو سال تک رہا اور آخر زمانہ نے سلطان وقت کو خود سمجھا دیا کہ کان بھرنے والوں نے بادشاہ کو غلط راستہ پر چلایا تھا اور شاہی قوت کو ولایت کی طاقت کے دبانے میں استعمال کرنا پہاڑ سے سر ٹکرانا ہے۔ لہٰذا بڑی ندامت کے ساتھ اپنے حکم کو واپس لیا اور آپ دوبارہ پنڈوہ کی سرزمین پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے کثیر مصارف کے اندازہ کرنے کے لیے ایک زندہ یادگار اب تک موجود ہے جس کو **مسجد ادینہ** کہتے ہیں۔(۲)

یہ خانقاہ علائیہ کی جامع مسجد ہے۔ بڑے بڑے سیاحوں کا بیان ہے کہ کسی برّ اعظم میں کوئی شاہی مسجد اتنی قیمتی سطح زمین پر موجود نہیں ہے اور نہ نظیر باسباب ظاہر ہو سکتی ہے۔ نہ صرف

۱۔ سنار گاؤں مسلمانوں کے عہد میں مشرقی بنگال کا دارالحکومت تھا، اب یہ مقام غیر معروف مقام ہے جو کسمپرسی میں پڑا ہوا ہے اور پینام [Painam] کے نام سے ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے، دریائے برہمپتر اس سے دو کوس کے فاصلہ پر بہتا ہے، سنار گاؤں کے اطراف میں ویران مسجدوں کے نشانات پائے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں ایک بڑا اسلامی شہر تھا، یہ اس شاہی سڑک کا منتہیٰ تھا جس کو شیر شاہ نے بنوایا تھا۔(تاریخ دعوت و عزیمت ج:۳، ص:۱۸۰، ابو الحسن علی ندوی)۔

۲۔ یہ مسجد الیاس شاہی دور کے دوسرے فرماں روا سکندر شاہ ابن سلطان حاجی الیاس شاہ [۱۳۶۴-۱۳۷۴ء] کے دور میں تعمیر ہوئی، کسی نے سن تعمیر ۱۳۶۹ء اور کسی نے ۱۳۷۳ء لکھا ہے، اس مسجد میں بیک وقت دس ہزار لوگ نماز ادا کرتے تھے، اصل مسجد پر ۳۶۰ اور پورے کیمپس میں چھوٹے بڑے کل ملا کر ۳۷۸ گنبد تھے جو گزرتے ایام کے ساتھ ساتھ زمیں بوس ہوتے چلے گئے اور اپنے پیچھے بے شمار نشانات چھوڑ گئے۔ یہ عالی شان مسجد کا ایک حصہ دو منزلہ تھا، بالائی حصہ امرا و سلاطین بروایت دیگر مستورات کی عبادت کے لئے مخصوص تھا، اس کا مختصر حصہ آج بھی باقی ہے، محراب و در پر کندہ آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ اسلامی کتبہ نویسی کے اعلیٰ نمونے ہیں اور ہماری عظمت رفتہ کی یادگار بھی، موجودہ وقت میں مسجد کے آثار میں سے ایک چوتھائی حصہ سے بھی کم محفوظ رہ گیا ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھئے: مالدہ ضلعا راتیہاس، بنگلہ ص:۲۲۶ تا ۲۳۱، مطبوعہ مالدہ بک پیلس، بار سوم ۲۰۱۱ء ڈاکٹر پرودت گھوش و دیگر کتب تواریخ)۔

مسجدیں بلکہ کسی کی کوئی مذہبی عمارت بلکہ کسی سلطنت کا کوئی شاہی قصر مسجد ادینہ کے گراں بہا ہونے پر داغ نہ لگا سکا ہے۔ دہلی کی جامع مسجد ہندوستان بلکہ دور دور کی مسجدوں میں دولھن کی حیثیت رکھتی ہے اور اپنے حسن وخوبصورتی کی مثال نہیں رکھتی مگر پھر بھی اگر قیمت کا موازنہ کیا جائے تو اُس کا مجموعی ٹوٹل مسجد ادینہ کے ایک گوشہ کو بھی شرمندہ نہ کر سکے گا۔

مسجد ادینہ کا مختصر اور مجمل نقشہ یہ ہے کہ یہ ایک بڑی وسیع مسجد ہے جس کی وسعت سے لاہور کی جامع مسجد کو بہت کچھ مناسبت ہے۔ مسجد دو درجہ کی ہے اور قدیم انداز عمارت کے مطابق ہر درجہ پر ایک ایک بلند وبالا گنبد ہے مسجد کے طول وعرض کا اندازہ اس سے ہو سکے گا کہ اگر کوئی نمازی روزانہ ایک ایک گنبد کے نیچے پنج وقتہ نماز پڑھے تو دیوار شمال سے دیوار جنوب تک کی مسافت کو پورے سال بھر میں طے کرے گا یعنی صرف مغربی جانب (جو اصلی عمارت مسجد ہے) گنبدوں کے دورویہ صف کی مجموعی تعداد تین سو ساٹھ ہے! دور سے دیکھنے والے آگے پیچھے گنبدوں کی دونوں قطار کو دیکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نعرۂ توحید کی آواز بازگشت سنانے کے لیے کچھ سر بلند ہستیاں جماعت کی صف باندھے کھڑی ہیں۔ مسجد کے شمال وجنوب ومشرق کی جانب بھی ایک ایک مسقّف درجہ بے غیر گنبد کے ہے۔ صدر دروازہ مشرقی دیوار میں مگر مغربی دیوار میں بھی منبر کے متصل آمد و رفت کا ایک راستہ ہے جو بالخصوص امام مسجد کے لیے بہت کارآمد ہے۔

اس وسعت کو دیکھتے ہوئے قیمت کا اندازہ کیجئے کہ اس سر بفلک اور طویل وعریض میں بنیاد سے لے کر چوٹی تک صرف سنگ کسوٹی ہی لگا ہے جس کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی صرف بڑے بڑے صرّافوں کے یہاں مشکل سے مل سکتا ہے۔

اس مسجد کی تعمیر کے میں عجیب وغریب واقعہ مشہور اور ہر خاص وعام کا اباً عن جد زبان زد ہے کہ پنجشنبہ کے دن مولانا علاء الحق کو خیال ہوا کہ اس قسم کی کوئی مسجد آج ہی تیار ہو جائے جس میں کل نماز جمعہ ہو۔ اس خیال کی تکمیل خدام کی بشری قوت سے بالاتر تھی۔ لھذا آپ نے قوم جن سے اُن لوگوں کو طلب فرمایا جو اس سے پہلے سلسلۂ غلامی میں آچکے تھے اور اپنے خیال کو ظاہر فرمایا، اس قوم نے تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور شب جمعہ کو صرف رات بھر میں سنگ کسوٹی کی ایسی وسیع مسجد بنا کر رکھ

دیا!(۱) کہتے ہیں کہ اسی بنا پر اُس کا نام مسجد ادینہ ہوا کہ شب ادینہ ہی اُس کی بنیاد و تکمیل کی ایک تاریخ ہے اور محققین کے نزدیک مسجد ادینہ اس لیے نام ہے کہ ادینہ فارسی زبان میں جمعہ کو کہتے ہیں اور یہ مسجد صرف نماز جمعہ کے لیے تیار کی گئی تھی، پنج وقتہ نماز کے لیے خانقاہ کے اندر خود مسجد تھی جو ابھی تک موجود ہے اور اس غرض سے جو مسجد بنائی جاتی ہے اُس کو ہر جگہ مسجد جمعہ یا جمعہ مسجد کہتے ہیں اور مسجد ادینہ مسجد جمعہ کا مرادف ہے۔اس کے لیے بنیاد و تکمیل کا جمعہ ہی کے دن ختم ہو جانا ضروری نہیں ہے۔

یہ واضح رہے کہ مسجد کی ایسی کچھ وسعت محض نمائشی نہ تھی بلکہ پنڈوہ کی یہ مقدس یادگار اُس کی غیر معمولی وسیع اور اسلامی آبادی پر روشنی ڈالتی ہے جس کے لیے مسجد کے اس طول وعرض کی واقعی ضرورت تھی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ انقلاب کے ہاتھوں مسجد کی گذشتہ شان وشوکت اب بھی باقی رہ گئی ہے۔ہمیں اقرار ہے کہ مسجد اب بالکل ایک کھنڈر ہے یا یوں کہیے کہ ایک بنیادی نقشہ ہے جس کے مٹے مٹے نقش ونگار کو دیکھ کر فن مستعمرات کا انجینئر عالم خیال میں ایک حسین عمارت کھڑا کر دیتا ہے۔

گئے دنوں میں جب لارڈ کرزن ہندوستان آئے تھے تو مسجد ادینہ کی شوکت اُن کو پنڈوہ کے جنگل میں کھینچ لائی تھی ،جس اسٹیشن پر وہ اُترے تھے اُس کا نام -ادینہ- رکھا گیا اور ریلوے اسٹیشنوں میں پنڈوہ سے سب سے زیادہ قریب ہے یہی ادینہ اسٹیشن ہے جو درگاہ شریف سے زیادہ سے زیادہ دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

اسی آمد کے سلسلہ میں جنگل کاٹ کر سڑک بھی بن گئی لارڈ کرزن نے تو مسجد کو آثار قدیمہ کے دفتر میں درج کر کے مرمت شروع کرائی تھی مگر یہ محسوس کر کے کہ کمخواب میں ٹاٹ کا پیوند بد زیب ہے یہ کام بند ہو گیا۔

بہر حال مسجد ادینہ حضرت مولانا علاء الحق کے رشک سلاطین مصارف کے اندازہ کرنے کے لیے ایک زندہ یادگار ہے۔اس پر بھی آپ فرماتے تھے کہ میرا خرچ حضور پیر و مرشد کے

۱۔ یہ روایت سینہ بہ سینہ ہے جیسا کہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا، کتب تواریخ میں تلاش بسیار کے بعد بھی اس کی اصل مل نہ سکی، لعل اللہ یحدث بعد ذالک أمرا۔

مصارف کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ضعیف الاعتقاد لوگ ان حالتوں میں دست غیب ہونے کا اعتقاد کر لیتے ہیں۔مگر جو لوگ حقیقت شناس ہیں وہ جانتے ہیں کہ شیخ کے مصارف کا وفورِ مریدوں کی ارادت کے جوش کا اثر و نتیجہ تھا آپ نے اپنے شیخ کے متعلق جو فرمایا اُس کا حقیقی ترجمہ یہ ہے کہ میرے مریدوں کی ارادت اُس کا عشرِ عشیر بھی نہیں جو مجھ کو اور میرے اقران کو حضرت شیخ سے تھی۔

یہ آپ کے غنا و استغناء کا پرتو ہے کہ آج بھی خدمت آستانہ کے لیے تیس چالیس ہزار کی جائداد بطور معافی وقف شاہی موجود ہے۔(۱)(۲)

گنج نبات

حضرت مخدوم کا مشہور و معروف لقب **گنج بنات** ہے۔اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں کہ اس لقب کی ابتداء کس واقعہ سے پڑی ہے۔بعضوں کا بیان ہے کہ بیعت و ارادت سے پہلے اس زمانہ میں جبکہ لوگ پنڈوہ کے نام سے ڈرتے تھے اتفاقاً حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ (۳) کے ایک مرید کا وہاں پہونچنا ہوا آپ نے سوال کیا کہ تم کس کے مرید ہو تو انھوں نے جواب دیا کہ حضرت گنج شکر کا۔آپ نے فرمایا وہ گنج شکر ہیں تو میں گنج نبات ہوں! یہ سن کر مرید کو بڑا صدمہ ہوا، بابا صاحب کی خدمت میں شکایت کرنے چلا گیا راستہ میں وفات شیخ کی خبر سنی تو دہلی گیا اور حضرت محبوب الٰہی سے اس کی شکایت کی۔کہتے ہیں کہ یہ آخری شکایت تھی جس کو سن کر حضرت

۱۔قسط دوم یہاں ختم ہوئی۔جلد ۲ / شمارہ نمبر ۷؛ ذی الحجہ الحرام ۱۳۴۲ھ/ جولائی ۱۹۲۴ء۔

۲۔وقف شاہی کی یہ جائیداد ”شش ہزاری وقف اسٹیٹ“ کے نام سے رجسٹرڈ ہے، موجودہ وقت میں اس کی مالیت کروڑ سے زائد ہے، یہ وقف علی الاولاد ہے، اس لئے حکومت بنگال کے دست برد سے پاک ہے مگر مسلمان کے دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکی۔

۳۔آپ کا اصل نام مسعود ہے فرید الدین گنج شکر سے مشہور ہوئے، کوٹھوال گاؤں ضلع ملتان میں ۵۸۴ھ مطابق ۱۱۷۳ء کو ولادت ہوئی، آپ پنجابی ادب و شاعری کے بنیاد مانے جاتے ہیں، حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے مرید و خلیفہ تھے، اپنے پیر و مرشد اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کے بعد سلسلہ چشتیہ کے سربراہ آپ ہی کی ذات ہے، ۹۲ سال کی عمر میں ۵ محرم الحرام ۶۶۶ھ مطابق ۱۲۶۵ء کو وفات ہوئی، مزار مقدس پاک پٹن پاکستان میں مرجع خلائق ہے۔

سلطان المشائخ نے خلفاء سے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اُس ڈاکو پر قابو پا سکے؟

چنانچہ حضرت مخدوم اخی سراج الحق نے آپ سے پہلا سوال اسی جملہ کے متعلق بعد بیعت وارادت کے کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ: حضور میں نے جو کہا تھا، وہ اب بھی کہتا ہوں! وہ مرید میری مراد کو نہ سمجھ سکا! نبات کی اصل شکر ہی ہے بابا صاحب گنج شکر تھے اور میں اُنھیں سے بنا ہوا گنج نبات ہوں اس جواب کو حضرت مخدوم نے قبول کرلیا اور اُسی دن سے آپ کا یہ مشہور لقب ہو گیا۔ بعضوں کے خیال میں آپ کو **گنج نبات** سب سے پہلے آپ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ عنہ (۱) نے اظہار عقیدت کے طور پر کہا تھا جس کو غیبی قبولیت کا تاج عطا ہوا اور آپ کا یہ لقب زبان زد ہو گیا۔ **و اللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال!**

نسل پاک

حضرت مخدوم کی حیات مقدسہ کا یہ مشہور واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شباب کا پورا زمانہ عالم وجد و تحصیل کمالات میں گذر گیا اور عیش و راحت کی یہ مخصوص گھڑیاں جذبہ خدمت شیخ پر نچھاور ہو گئیں یہاں تک کہ عمر کا آخری حصہ آ گیا اور حضرت کے محل سرا میں کسی بچہ کی ولادت کی مسرّت منانے کی نوبت نہ آئی۔

اولاد کی آرزو ایک عجیب دلکش و عالم گیر آرزو ہے یہ وہ تمنا ہے جس سے کسی مرد و عورت کا سینہ خالی نہیں ہے۔ بے اولاد کو لوگ بے نصیب کہتے ہیں اور بے اولاد کا گھر بے چراغ کا گھر کہا جاتا ہے۔ اسی لیے ولد صالح کی خواہش کرنے کی اسلام میں تعلیم دی گئی ہے اور ہمارے زمانہ میں تو

۱۔ مخدوم سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ موجودہ ملک ایران کا قصبہ سمنان میں ۷۰۸ھ/ ۱۳۰۹ء بقول دیگر ۷۱۲ھ/ ۱۳۱۳ء کو آغوش مادر میں آئے، سات سال کی عمر میں قرأت عشرہ کے قاری اور حافظ ہو گئے، ۱۴ سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون سے فارغ ہو گئے، دس سال حکومت فرمائی، پھر بارگاہ مرشد علاء الحق پنڈوی میں حاضر ہوئے، بیعت وارادت کے بعد پوری دنیا کا سیر فرمایا، ہزاروں غیر مسلموں کو مسلمان اور لاکھوں گم گشتگان راہ ہدایت کو ہدایت دی، بیک وقت مفسر ومحدث منطقی وفلسفی، فقیہ ومفتی، نحوی وبلاغی اور اپنے دور کے جملہ علوم وفنونِ متداولہ کے جامع تھے، کتب کثیرہ کے مصنف، مرتب اور مترجم القرآن تھے، ۲۸ محرم الحرام ۸۰۸ھ/ ۱۴۰۸ء بمقام کچھوچھہ شریف میں وصال فرمایا، مزار مقدس زیارت گاہ عام خاص اور فیوض وبرکات کا منبع ہے۔

حج بیت اللہ وزیارت مدینہ طیبہ سے بھی اکثر یہی عرض ہوتی ہے کہ اولاد کے لیے وہاں دعا کریں۔ ایک شخص کسی شیخ کا مرید ہوتا ہے اگر وہ بے اولاد ہے تو اُس کی پہلی عرضی اسی کے لیے گذرتی ہے۔ اگر ہم مریدوں کے خطوط جمع کریں جن میں ذکر الٰہی سے پہلے خواہش اولاد ظاہر کی گئی ہے، تو بلا مبالغہ ایک ایسا مجموعہ تیار ہو جس کے حجم کا مقابلہ کسی وسیع کتب خانہ کی تمام مجلدات کو جمع کرنے سے شاید ہی ہو سکے۔ یہاں تک تو خیر ہے قیامت خیز منظر تو یہ ہے کہ اولاد کے لیے کوئی فسق، کوئی فجور، کوئی کفر، کوئی شرک ایسا نہیں ہے جس کو ابناء زمانہ اختیار کرنے میں ذرا بھی تامل سے کام لیں۔ بتوں کا پوجا، گنگا کا اشنان، جن بھوت کی پرستش، مداریوں کی بھینٹ، کالی کا منتر، جوگی کا بھبوت، چوکی کا بھرنا (معاذ اللہ منہ) سب قبول ہے، اگر گود بھرنے کی امید ہو جائے۔

یہ معلوم ہے کہ اولاد اگر ہوئی بھی تو ممکن ہے کہ مر جائے زندہ بچ گیا تو نالایق وظالم ہو کر عذاب جان ہو جائے اور پھر یہ کچھ نہیں تو اس پر پورا وثوق ہے کہ قیامت کے دن وہ نہ کام آئے گا۔ اپنا ہی ایمان مفید ہوگا مگر، واہ رے اولاد کی آرزو کہ سارے یقینیات پر حجاب پڑ جاتا ہے اور یہ آرزو ہر ناگفتنی و ناکردنی پر تیار کر دیتی ہے۔ بہر حال آرزوئے اولاد بشریت کا ایک جزء لاینفک ہے یہاں تک کہ دین و مذہب بھی اس تمنا کے بت پر بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے (والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ۔)

مگر ہاں حضرت مخدوم علاء الحق والدین کا سینہ ہے جس میں اس آرزو کی کوئی گنجائش نہ تھی اور جو عام بشریت کے فہم سے کہیں بلند و بالا ہے۔

عمر شریف کا وہ زمانہ آچکا ہے جس کو اطباء مایوسی کا زمانہ کہتے ہیں، زوجہ طاہرہ کا سن ڈھل چکا ہے، اعزہ واقرباء انقطاع نسل کا مرثیہ پڑھ چکے ہیں۔ مولانا اسعد کے خاندان کا خاتمہ متیقن ہو چکا ہے، دوست احباب انکی لاولدی کا غم منا چکے ہیں اور اب قریب قریب سب کو ایک طرح کا صبر آچکا ہے۔ مہینوں گذر جاتے ہیں اور کسی کو اُس کا خیال بھی نہیں ہوتا ہاں جس دل میں یہ غم ہر وقت موجود رہتا ہے اور رات دن چٹکیاں لیا کرتا ہے وہ زوجہ عفیفہ کا دل ہے۔ آپ کے قلب سے ایک ساعت کے لیے یہ رنج نہ گیا، سارا دن اُسی کی یاد میں آہ و زاری اور ساری رات اسی فکر میں اختر شماری فرماتی رہیں۔ آپ کے لیے بجز دعا کے کیا چارہ تھا ہر نماز کے بعد ولد صالح کا سوال دربار

الوہیت میں کرتیں اور آہ دل واشک چشم نذر پیش کرتیں۔

یہ رات دن کی دعا بیکار نہ گئی اور آخر آپ کو گویا الہام ہوا کہ اس تمنا کی کنجی حضرت مخدوم ہی کے ہاتھ دیدی گئی ہے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت شیخ سے آپ نے عرض کیا کہ میں اپنے دل میں ایک دیرینہ آرزو رکھتی ہوں۔

حضرت: کس چیز کی؟

زوجہ مقدسہ: اولاد کی۔

حضرت (متعجبانہ): ہاں مگر اولاد کی تمنا تمکو کیوں ہے؟ تم کو اُس سے کیا فائدہ ہوگا؟

زوجہ مقدسہ: اگر اولاد صالح ہو تو بہت کچھ نفع کی امید کی جاسکتی ہے۔

حضرت: مگر میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے لیے اولاد مقدر نہیں ہے۔

زوجہ مقدسہ: تو کیا میری قسمت میں یہ داغ ہمیشہ کے لیے لکھا ہے؟ (رونے لگیں)

حضرت: داغ کیسا؟ یہ تم روتی کیوں ہو؟

زوجہ مقدسہ: (روتی ہوئی) خاندان کی عورتیں مجھ کو بانجھ کہتی ہیں، نہ مجھے عمر والی اولاد چاہیئے نہ اُس کی کمائی کھانے کا شوق ہے۔ ہاں اتنا چاہتی ہوں کہ کوئی لڑکا پیدا ہو کر مر جائے مگر ہم چشموں کے طعن سے تو نجات ملے۔

حضرت: اچھا رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے لڑکا پیدا ہوگا مگر پھر اُس کی زندگی کی خواہش نہ کرنا!

سچ ہے بزرگوں کا کہا نہیں ٹلتا! اُس گفتگو کے گنتی کے مہینوں کے بعد حرم سرا سے ولادت فرزند ارجمند کی خوشخبری خانقاہ میں آئی اور پنڈوہ کی تمام آبادی میں گویا عید ہوگئی شہر کے اُمراء، وزرا، علماء، اولیاء کے جشن مسرت کا تذکرہ اس قدر قابل حیرت نہیں ہے جتنا یہ امر ہے کہ اس مژدہ کو سنتے ہی حضرت مخدوم محل سرا میں تشریف لائے اور فرمایا کہ:

تم کو طعن سے نجات مل گئی اور بانجھ کا داغ مٹ گیا!

حضرت ملک الموت علیہ السلام کھڑے ہیں اب اُن کو قبض روح کی اجازت دیتا ہوں۔

اس ارشاد نے زوجہ محترمہ کو سکتہ میں ڈال دیا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، مگر بظاہر کوئی چارہ

نہ تھا، بے اختیار قدم شیخ پر گر پڑیں اور عرض کیا کہ حضور اختیار ہے صرف میں اتنا چاہتی تھی کہ سنت عقیقہ ادا کرنے کا ثواب حاصل کرسکوں!

سنت کا نام سننا تھا حضرت محل سرا سے نکل آئے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام کو عقیقہ کے دن مدعو کر دیا۔ خوشی کے دن جاتے دیر نہیں لگتی آخر عقیقہ کی تاریخ آ گئی دروازہ پر ادنیٰ واعلیٰ کا ہجوم ہے، چھوٹے بڑے گویا اس خوشی میں کھلے جاتے ہیں، محل سرا میں برادری کی بیویاں جمع ہیں، جسے دیکھو محو مسرت ہے، مولود مسعود پر زر و جواہر نثار ہو رہے ہیں، عقیقہ کا جانور ذبح ہو چکا اور فرزند کا نام حضرت نے نور رکھ دیا۔(ا) ابھی تک لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ جشن ہفتوں منایا جائے گا کہ پھر حضرت مخدوم محل سرا میں تشریف لائے اور فرمایا کہ:

حضرت عزرائیل علیہ السلام کھڑے ہیں، سنت ادا ہو چکی ہے، اب میں اُن کو اندر بلاتا ہوں۔ اس فرمان نے جشن کو کہرام سے بدل دیا اور ہر نفس نقش بدیوار ہو گیا۔ آپ کی زوجہ نے جب اس خبر کو سنا تو پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، قدم پر گر پڑیں اور عرض کیا کہ: اب مرضی مبارک سب پر مقدم ہے، آپ کا لڑکا ہے، ابھی اُس نے اللہ کا نام بھی نہیں لیا ہے، خدا کا کلام بھی نہیں پڑھا، اسی حالت میں مرجانا آپ کو پسند ہو تو مجھے کوئی عذر نہیں ہے!

حضرت مخدوم نے اللہ کا نام سنا تو پھر دروازہ پر تشریف فرما ہوئے اور ختم قرآن مجید تک حضرت عزرائیل علیہ السلام کو آنے سے منع کر دیا۔

ماں باپ کی آنکھوں کے نور کی اب آغوش امارت میں پرورش ہونے لگی۔ اللہ [کے

ا۔ آپ کا اصل نام نور ہے، صاحب مرأۃ الاسرار نے اصل نام احمد لکھا ہے، نور قطب عالم سے مشہور ہوئے، سن ولادت ۷۲۲ھ مطابق ۱۳۲۲ء ہے، آپ بڑے عالی مقام بزرگ تھے، سر حلقۂ اقطاب تھے، غایت سوز و درد سے آپ پر ہر وقت گریۂ جگر سوز طاری رہتا تھا، مخدوم سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ کی سفارش سے مقام قطبیت پر فائز ہوئے، اپنے والد شیخ علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ کے سچے جانشیں وخلیفہ تھے، انیس الغربا، مونس الفقرا اور مکتوبات نور قطب عالم آپ کی یادگار کتابیں ہیں۔ راقم عبدالخبیر اشرفی نے انیس الغربا کا ترجمہ، تخریج وتحشیہ کا کام کیا ہے، مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف مالدہ نے اسے اردو کے ساتھ ساتھ بنگلہ زبان میں بھی شائع کیا ہے۔ ۱۱/ذی قعدہ ۸۱۳ھ کو وصال ہوا، مزار شریف پنڈوہ شریف مالدہ میں ہے۔

شکر](۱) سے وہ اب گھٹنوں کے بل چلنے لگے، پاؤں بھی چلنا شروع کیا اور گویا آنکھ جھپکتے وہ دن آ گیا کہ الف با شروع ہوئی اور بہت جلد قرآن کریم ختم ہو گیا۔ دوست احباب رشتہ دار سب اندر باہر اس موقع پر جمع ہو گئے اور خوشیاں منانے لگے اور حضرت مخدوم نے یہ کہا کہ اندر تشریف لائیے اور فرمایا کہ آج نور نے قرآن کریم بھی ختم کر لیا۔ اب میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کو طلب کرتا ہوں۔

زوجہ عفیفہ کے پاس اب کوئی عذر نہ تھا، دست بستہ عرض کیا کہ حضرت کا ارشاد سر آنکھوں پر ہے۔ میری آرزو سر پر سہرا دیکھنے کی تھی، اگر وہ پوری نہ ہوئی تو سمجھوں گی کہ جس آستانہ سے سب کی امیدیں پوری ہوتی ہیں وہاں ایک نامراد میں ہی رہ گئی (رونے لگیں)۔ حضرت کو رحم آ گیا اور فرمایا کہ تم بہت حیلے بہانے کرتی ہو! اچھا اب وعدہ کرو کہ آیندہ کوئی عذر نہ پیش کرو گی، بیوی صاحبہ نے وعدہ کیا اور حضرت نے باہر آ کر تاریخ شادی پر آنے کو کہہ دیا۔

اس عرصہ میں خاندانی فراست اور اعلیٰ تعلیم کی بدولت مولانا نور کا وجود مقدس چراغ خاندان بن گیا اور برابر کے بڑے بوڑھے لوگ بھی مولانا نور کا ادب کرنے لگے، خوشی کا پورا سال ایک منٹ کے برابر ہوتا ہے، چنانچہ مولانا نور کی بیس برس کی عمر گویا بیس منٹ میں گذر گئی۔ اسی سال آپ کی شادی خاندان میں کی گئی اور جس دن آپ کی دولھن کا ڈولا حرم سرائے علائی میں اُترا ہے اُس دن مولانا نور کی عمر شریف پورے بیس سال کی تھی۔

نئی نویلی دولھن کی شرم و حیا کو دنیا جانتی ہے اپنی پہلی آمد میں سسرال کی اینٹ اینٹ سے شرم کی جاتی ہے اور کھانے پینے میں نگاہ بچانے کی کوشش ہوتی ہے۔ ڈولا کے آتے ہی بی بیوں نے ہاتھوں ہاتھ عروس کو محل میں پہونچایا ہے۔ ایک دھوم ہے کہ کان پڑے آواز نہیں سنائی دیتی ہر شخص اپنی ہی کہتا اور آپ ہی سنتا ہے۔ دولھن کے خیال سے خانہ عروسی میں تخلیہ کر دیا گیا ہے۔ مولانا نور کی والدہ ماجدہ تنہا وہاں ہیں اور فرزند کی حیات کا قصہ سنا رہی ہیں سب کہ چکنے کے بعد فرمایا:

۱۔ اصل مضمون میں کتابت کی غلطی سے -آمین- لکھا ہوا ہے۔

اب حضرت شیخ آتے ہی ہوں گے اور میرے پاس سکوت کے سوا کوئی حیلہ نہیں ہے، اگر تم نے شرم سے کام لیا تو آج ہی تمہارے بیوہ ہونے کی بھی تاریخ ہے۔ آپ ادھر نصیحت فرما رہی تھیں کہ واقعی حضرت مخدوم اندر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ بیوی اب تمہارا کوئی عذر نہ سنا جائے گا! حضرت عزرائیل علیہ السلام کھڑے ہیں اب میں بے تکلف اُن کو قبض روح کی اجازت دیتا ہوں۔ مولانا نور کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ مجھے اب کوئی عذر نہیں ہے۔ حضرت باہر جانے لگے کہ حضرت ملک الموت علیہ السلام کو بلائیں کہ ایک مجسمہ حیا و تصویر شرم ہستی قدم سے لپٹ گئی اور زار زار رونے لگی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ آپ کی زوجہ نے فرمایا کہ یہ آپ کی بہو ہے۔

فرمایا یہ کیا کہتی ہے عرض کیا کہ حضور یہ آہ وزاری کر رہی ہے کہ مجھ بے خطا کو کس جرم کی سزا دی گئی ہے، اگر مولانا نور کی موت ہی پسند خاطر تھی تو ایک دن پہلے بھی ممکن تھا یا آج ہی موت آتی مگر مجھ کو عقد نکاح میں نہ لایا جاتا کسی کا نہ کچھ بنے گا نہ بگڑے گا مگر میری تقدیر اُنکی موت سے ہمیشہ کے لیے بگڑ جائے گی۔ مجھ بیکس اور دکھیاری کا ستانا شان کرم سے بعید ہے۔

حضرت مخدوم نے جو اتنا سنا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور چہرہ پر جلال کا تیور چڑھ گیا اور اُسی وجد میں باہر تشریف فرما ہوئے اور حضرت عزائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ سو برس تک اس کام کے لیے یہاں نہ آنا!

چنانچہ اُس تاریخ سے لے کر سو برس تک مولانا نور عالم حیات ظاہری میں رہے اور آپ کی کل عمر شریف پوری **ایکسو بیس ۱۲۰** کی ہوئی۔ اس واقعہ سے جہاں اس کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت کے قلب کو دنیا و سامان دنیا سے کتنی بے تعلقی تھی وہاں اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ؎

خاصان خدا خدا نہ باشد لیکن ز خدا جدا نباشد[1]

[اللہ کے مقرب بندے اللہ نہیں ہیں، لیکن اللہ سے جدا بھی نہیں ہیں]

[1]۔ قسط سوم یہاں ختم ہوئی۔ جلد ۲/ شمارہ نمبر ۸؛ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ/ اگست ۱۹۲۴ء۔

جنتی دروازہ

پنڈوہ شریف کی درگاہ معلی میں حضرت شیخ کے پائیں جانب ایک مشہور دروازہ ہے جس کو جنتی دروازہ کہتے ہیں۔ یہ دروازہ سال بھر بند رہتا ہے اور عرس شریف کی مخصوص تاریخوں میں کھلتا ہے۔ خوش اعتقاد مسلمانوں کا ہجوم اُس دروازہ سے اُن تاریخوں میں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ گذرتا ہے اور اُس داخلہ کو توبہ کا ایک شعبہ باور کرتا ہے۔ مقلدین سلف صالحین کا عقیدہ ہے کہ اُس دروازہ سے گذرنے پر یہ امید ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ جنتیوں کے اعمال کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اُس دروازہ کو حضرت شیخ کی ذات والا سے ایک خاص نسبت ہے اور فلسفۂ تاریخ پر نظر کرتے ہوئے یہ وہی نسبت ہے جو حضرت بابا صاحب (۱) کی ذات معلّی سے درگاہ پاک پٹن شریف کے جنتی دروازہ کو نسبت ہے۔ (۲)

خواجگان چشت میں جس طرح حضرت بابا صاحب کا مشہور لقب گنج شکر ہے اُسی طرح اُس کے پرتو میں حضرت شیخ کا معروف لقب گنج نبات ہے اور اُنہیں دونوں خزانہ قدرت میں جنتی دروازہ کے نام سے دروازے ہیں۔ ورنہ توبہ و انابۃ الی اللہ کے لیے ہر آستانہ کا بابِ عالی جنتی دروازہ ہے اور سچ یہ ہے کہ توبہ میں اخلاص وخشوع و استقلال کا ہونا ہی جنتی دروازہ ہے! چونکہ پنڈوہ شریف کا دروازہ ان حالات کو داخلہ کے وقت پیدا کرنے میں مؤثر ہے، لھذا اُس کی مقامی خصوصیت کا ادب واحترام لازمی ہے۔ کہتے ہیں حضرت شیخ نے اس دروازہ کے متعلق بشارت دی

۱۔ بابا صاحب سے مراد حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمہ کی ذات ہے۔

۲۔ اس دروازہ سے ایک ایمان افروز واقعہ منسوب ہے جو سینہ بہ سینہ مروی ہے؛ حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ کا روضہ تعمیر کرا رہے تھے، خاص لحد میں لگانے کے لیے چند اینٹوں کی ضرورت محسوس ہوئی، بذریعۂ کشف حضرت گنج شکر علیہ الرحمہ نے اپنے مرید صادق کو ایک مخصوص دیوار سے چند اینٹیں نکالنے کا حکم دیا، اینٹیں نکالنے سے ایک دروازہ بن گیا، اس دروازہ سے حضرت نظام الدین اولیاء نے بچشم باطن نبی کریم ﷺ معہ چند اصحاب وآل بیت اطہار کو روضہ کے جنوبی مشرقی گوشہ پر تشریف فرما دیکھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نظام الدین اعلان کر دو "من دخل ھذا الباب امن" جو اس دروازہ سے گزرا اس نے امان پائی۔ دیکھا گیا تو اس جگہ پر نشان قدم موجود تھے، احتراماً اس جگہ پر قدم رسول کے نام سے حجرہ بنا دیا گیا ہے اور دروازہ کا نام جنتی دروازہ رکھا گیا ہے اور مذکورہ بالا فرمان دروازہ پر آج بھی کندہ کیا ہوا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیئے: نوائے وقت ڈاٹ کام، نذیر حسین فریدی۔

تھی اوراسی لیے اس دروازہ کا جنتی دروازہ ہونا ساتویں صدی ہی میں مقبول خاص و عام ہو چکا تھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال!

شیخ العالم

حضرت شیخ کی تمام وکمال زندگی کا حصّہ جن قربانیوں اور خدمت شیخ وعبادت الٰہی کی مصروفیتوں میں گذرا ہے اُس کا تقاضا ہے کہ اب اُن کی مقبولیت کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بجادیا جائے اور ہر خشک وتر کی باگ اُن کے مقدس ہاتھوں میں دیدیا جائے۔

چنانچہ موافق من کان للہ کان اللہ لہ ایسا ہی ہوا یعنی زندگی کا آخری حصہ مسند مشیخت اور تاج مخدومیت کے ساتھ گذرنے لگا۔ سیّدنا خضر علیہ السلام(۱) کی مبارک زبان نے آپ کے فضل وکمال کو عرب وعجم میں مشہور کردیا اور ایک دنیا آستانہ علائیہ پر جھک پڑی اس شمع جمال علائی کے پروانوں میں جو نام ہزاروں ادب اور کروڑوں تعظیم کے ساتھ لیے جانے کے قابل ہے **حضور غوث العالم محبوب یزدانی تارک السلطنت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی** رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ارضاہ عنی) کا نام نامی ہے۔

یہی ذات وہ شہباز قاف ولایت ہے جس نے تخت سمنان کو تج کر پرواز کرتا ہوا پنڈوہ میں اپنے کو خود کشی کے زلفِ نورانی میں اسیر کیا اور پھر کچھوچھہ مقدسہ کو اپنے آشیانۂ جلال وجمال کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ کی بیعت وارادت کے بعد حضرت شیخ کا جبروت عالم میں ظاہر ہوگیا اور گروہ اولیاء میں آپ کو شیخ العالم کہا جانے لگا۔ حضرت شیخ نے آپ کو بعطاء جمیع تبرکات اپنا خلیفہ وجانشین

۱۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بلاواسطہ نسبی بیٹے تھے یا پوتے تھے، لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نام ایلیا اور والد کا نام ملکان تھا، ساتویں پشت میں سلسلۂ نسب حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا ہے، قرآن کریم میں آپ کا نام صراحتاً مذکور تو نہیں ہے مگر" عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا سے مراد آپ ہی کی ذات ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت آواز آئی جس میں گھر والوں کو صبر کی تلقین کی گئی، اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں، مشکوۃ باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کیا اور اب وصال الٰہی کا ہر وقت انتظار فرمانے لگے۔ حضرت شیخ کی کرامتوں کا احصاء نہایت دشوار ہے۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ اعجاز نبوی کا پرتو تھا۔ لطائف اشرفی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وجود باوجود سراپا نمونہ قدرت اور مجسمہ کرامت تھا۔

سلطان المرشدین

صوفیوں کا یہ قدیمی ادب ہے کہ بزرگوں کو کسی نہ کسی لقب سے یاد کرتے ہیں اور نام نامی لینا ایک حد تک بے ادبی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بعض لقب کی غیر معمولی شہرت نے اصل نام کو غیر معروف کر دیا ہے یا کم از کم اُس سے بے نیاز کر دیا ہے۔ کتب متقدمین میں شیخ اکبر، سید الطائفہ، سلطان العارفین وغیرہ علی الاطلاق لکھا ہوا ملتا ہے جس سے حضرت محی الدین ابن عربی (۱) وحضرت جنید بغدادی (۲) وحضرت بایزید بستامی (۳) رحمہم اللہ اجمعین مراد لیے جاتے ہیں۔ علما شریعت میں بھی

۱۔ آپ کا اصل نام محمد ابن علی ہے، محی الدین ابن عربی اور شیخ اکبر سے مشہور ہیں، ۲۷ رمضان ۵۶۰ھ/ ۱۱۶۵ء میں بمقام موسیا اندلس میں پیدا ہوئے، ۲۲ ربیع الثانی ۶۳۸ھ/ ۱۰ نومبر ۱۲۴۰ء کو دمشق میں وصال ہوا، مزار اقدس جبل قاسیون دمشق میں ہے۔ وحدۃ الوجود کے قائل تھے، فصول الحکم اور فتوحات مکیہ آپ کی علمی یادگار ہیں۔

۲۔ آپ کا اصل نام جنید ابن محمد ابن جنید ہے، سید الطائفہ مشہور لقب ہے، ۲۱۰ تا ۲۲۰ھ کے درمیان کسی سن میں ولادت ہوئی، حضرت سری سقطی کے بھانجے اور شاگرد تھے، ۲۷ رجب بروز جمعہ ۲۹۷ھ مطابق ۹۱۰ء میں آپ کا وصال ہوا، آپ جملہ صوفیائے کرام کے شیخ ہیں۔

۳۔ آپ کا اصل نام ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی ہے، آپ کی ولادت ۱۶۰ھ میں ہوئی، ۲۸ شعبان ۲۳۴ھ بروایت دیگر ۲۶۱ھ میں وفات ہوئی، آپ کی ذات حجۃ اللہ، قطب عالم اور مرجع اوتاد تھی، آپ کے تعلق سے حضرت جنید بغدادی نے فرمایا: بایزید بسطامی ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسے ملائکہ کے درمیان حضرت جبریل امین علیہ السلام۔

ادب کا بڑا لحاظ ہے۔ محقق علی الاطلاق-امام ابن ہمام،(۱) شیخ محقق-مولانا عبدالحق دہلوی (۲) کو، بحر العلوم-مولانا عبدالعلی لکھنوی (۳) کو وغیرہ وغیرہ اسی ادب کی بنا پر کہا جاتا ہے۔

متأخرین صوفیاء ہند نے اس نظر سے حضرت خواگان چشت کے جبروت وسلطنت کے اعتراف میں ہر ذات کا تذکرہ کسی لقب سے کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ مولانا علاء الحق والدین کو **سلطان المرشدین** کہا کرتے ہیں اور درحقیقت بڑے بڑے بزرگان ارشاد نے حضرت شیخ کی سلطنت قاہرہ کے حضور سر اطاعت جھکا دیا ہے۔ ذلك فضل الله!

حضرت شیخ کی سن وفات اخبار الاخیار شریف میں ۸۰۰ھ لکھا ہے۔ مزار پُرانوار پنڈوہ شریف، ضلع مالدہ، ویسٹ بنگال میں ہے اور آج تک یہ بارگاہ بیکس پناہ زیارت گاہ خلائق ہے۔ ۲۲/رجب المرجب میں عرس شریف ہوتا ہے جس میں اقطار ہند کے مسلمانوں کا ہجوم ہوتا ہے اور ہر حاجت مند کامیاب وبامراد ہوتا ہے سچ ہے۔؎

بمقامے کہ نشان کف پائے تو بود   سالہا سجدۂ صاحب نظران خواہد بود

[جس جگہ تیرے تلوئے پا کا نشان ہوگا صاحبان نظر وفکر کو برسوں اس پہ سجدہ کرنا چاہیے]

۱۔ حضرت کمال ابن ہمام ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء میں اسکندریہ میں پیدا ہوئے اور ۸۶۱ھ/ ۱۴۵۷ء قاہرہ میں وصال فرمایا۔ تفسیر وفقہ، فرائض وحساب، نحو وصرف، منطق وجدل، معانی وبیان اور تصوف کے امام تھے، فتح القدیر آپ کی مشہور زمانہ کتاب ہے۔

۲۔ اصل نام عبدالحق بن سیف الدین ہے، ۹۵۸ھ/ ۱۵۵۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء کو وصال فرمایا، اپنے والد کے اشارے پر حضرت موسی پاک شہید ملتان سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے، ہندوستان میں علم حدیث کی نشر واشاعت میں آپ کا کردار بنیادی ہے، لمعات التنقیح، اشعۃ اللمعات، جذب القلوب، ماثبت من السنۃ، اخبار الاخیار وغیرہ آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۳۔ آپ بانی درس نظامیہ ملا نظام الدین فرنگی محلی کے بیٹے ہیں، ۱۷ سال کی عمر میں جملہ علوم متداولہ متعارفہ سے فارغ التحصیل ہوئے، پھر شاہ جہانپور، رامپور، بہار اور کرناٹک میں علم کے دریا بہائے، رئیس کرناٹک نواب والا جاہ محمد علی خان کی حکومت کی طرف سے بحر العلوم کا خطاب ملا، آپ کثیر التصانیف عالم تھے، حاشیہ میر زاہد، شرح سلم العلوم، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، شرح مثنوی مولانا روم اور شرح فقہ اکبر آپ کی معرکۃ الآرا کتابیں ہیں، ۱۲ رجب ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۱۹ء میں انتقال ہوا، مدراس میں مدفون ہیں۔

نتائج

(۱) تم اللہ تعالیٰ کے لیے دنیا کو تج دو تا کہ کونین کی شاہی کا تاج تمہارے سر پر رکھا جائے۔

(۲) تم اپنے شیخ کے سچّے خادم بنو تا کہ دو جہاں میں تم مخدوم بنائے جاؤ۔

(منقول از لطائف اشرفی و اخبار الاخبار و روایات خاندانی)[۱]

اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن
حیدرآباد، دکن

۱۔ آخری۔ قسط چہارم یہاں ختم ہوئی۔ جلد ۲ / شمارہ نمبر ۱۱؛ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ/نومبر ۱۹۲۴ء۔